ڈاکٹر نذر خلیق
اسسٹنٹ پروفیسر،گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج اصغرمال راولپنڈی

خوابِ سرشار: تحقیق وتنقید

Dr. Nazar Khaleeq
Asst. Professor, Government Post Graduate College AsgharMall, Rawalpindi

Khawab e Sarshar:Research and Critic

Mohsin Khan Puri was born in 1867 at Khan Pur and died in 1944. He was a Yousafzai Pathan. His famous books are "Safar Nama e London" "Musnavi Qahr e Ishque" and "Rangeeli Begum". His famous book "Khawab e Sarshar" was published in 1906 from Sadhora India. Mohsian Khan Puri was a "Taraqi Pasand" poet. He has rised vioce against ruler of state of Bahawal Pur.

خوابِ سرشار محسن خان پوری (1) کا مزاحمتی اور ہجو یہ قصیدہ ہے ۱۹۰۶ء میں ساڈھورہ ضلع انبالہ انڈیا سے شائع ہوا۔اس قصیدے کا دوسرا نام پولیٹکس آف بہاول پور بھی ہے۔اس قصیدے میں نواب آف بہاول پور کو ریاست کے سماجی، تعلیمی اور دیگر انتظامی معاملات کے بارے میں آگاہ کیا گیا ہے۔محسن خان پوری نے قصیدے کے مقصد اور مدعا کے بارے میں خود لکھا ہے۔

”یہ گلدستہ ملکی ترقی اور یارانِ وطن کی آئندہ خوشحالی سرسبزی اور بہبودی کے مضمون پر لکھا گیا ہے جس کا مصنف عاشق زار ہے اور جو اس کے حسنِ بیان کا اصل مطلب اور نظم کے ایک ایک لفظ سے روزِ روشن کی طرح جلوہ گر ہے وہ چاہتا ہے کہ انہیں آنکھوں سے اپنے ملک میں ایک لوکل ریلوے جس کی مالک خود ریاست ہو اور ایک نہرِ عظیم شراٹے کے ساتھ بہتی ہوئی دیکھ لے ان کے فوائد اور نتائج اس کے جانشینوں کو مبارک ہوں بس انہیں دو باتوں کی شاہی منظوری حاصل کرنے کے لیے اس نے اپنی عمرِ عزیز کی مضامین نگاری میں صرف کردی اور اس دل آویز یا دل کش کن مضمون کے حسنِ مطلب کو طرح طرح کی لبانے والی اور موہنی صورتوں میں ادا کر کے پیش کرتا رہا۔الحمداللہ کہ اس کی یہ قومی خدمت یا طبعیت کی محنت بالکل رائیگاں نہیں گئی اور ایک بات نے آخر کار فخرِ منظوری حاصل کر ہی لیا یہ وہی بات ہے جس کو ہمارے احباب کتاب ڈالی کے بارہ صفحہ پر ملاحظہ فرما چکے ہیں اور جس کا مبارک نام منظوری اجرائے نہر ہے اب رہی دوسری یا ریل والی بات انشاءاللہ ہمارے ہز ہائنس نواب صاحب بہادر اور لائقِ دستور معظم ہماری اس پیش کردہ تجویز پر جو نہر والے مضمون سے زیادہ ضروری اور مطلبِ خیر ہے ضرور کامل غور و توجہ فرمادیں گے اور نتیجہ عنقریب خاطر خواہ پیدا ہوگا ورنہ

مانیں نہ مانیں اِس کا انہیں اختیار ہے
ہم نیک و بد حضور کو سمجھاتے جائیں گے“(2)

اس اقتباس سے پتا چلتا ہے کہ شاعر کا مقصد اور مدعا محض ریاست بہاول پور کی فلاح و بہبود ہے جو شاعر کا آبائی وطن ہے یہ وہ دور

ہے جب برّصغیر پاک و ہند پر انگریز سرکار کی حکومت مکمل طور پر مستحکم ہو چکی تھی لیکن ریاست بہاول پور میں اب بھی خودمختار اور شخصی حکومت تھی گویا ریاست بہاول پور کے نواب ۱۷۲۷ء سے اب تک اپنا اقتدار قائم رکھے ہوئے تھے ریاست میں ملوکیت انتہاہی مضبوط تھی ایسے حالات میں محسن خان پوری کا ہجویہ اور مزاحمتی قصیدہ لکھنا جرأتِ رندانہ تھا۔اس سلسلے میں محسن خان پوری خوابِ سرشار میں کہتے ہیں

لکھنؤ میں ہے محلّہ جوامین آباد کا
آج اُس میں فروکش خادمِ سرکار ہے

اُس مقامِ دلرُبا پر اِس فدایِ قوم نے
تین دن میں دوستو یہ نظم کی تیار ہے

شوق ہو تاریخ کا گروہ بھی سُنیے شوق سے
اِس امر میں کم ترین کو کچھ نہیں انکار ہے

ماہِ جمادی الاوّل کا اور ساون کے دن
تیرہ سو تیسویں ہجری بلا تکرار ہے

عیسوی سن کے میاں انیس سو اور پانچ ہیں
ماہِ جولائی میں ختم نظم خوش اطوار ہے

چھٹّے پر کالا کیا ہے اس لیے ہم نے نمود
شاعری کی عمر ہوتی بیشتر اے یار ہے

حسنِ مضمونِ صداقت کی ہیں اس میں شوخیاں
شوخیِ معشوق اس کے سامنے بیکار ہے

بندہ ہے پُرعیب اور بےعیب ہے ذاتِ کریم
باغِ عالم میں کہیں بھی گلشنِ بےخار ہے

پھول تو چُن لیجئے کانٹوں کو جانے دیجئے
صاحبِ علم و فضل کو خار سے کیا کار ہے

بدعائے خیر کرنا محسن عاصی کو یاد
شوق پڑھنے کا اگر ہے مشفق غمخوار ہے'' (3)

ان اشعار سے پتا چلتا ہے کہ شاعر لکھنؤ میں موجود ہے لیکن اپنے آبائی وطن ریاست بہاول پور کے لیے بے چین اور بے کل ہے بلکہ وہ قوم پر فدا ہونے کے لیے تیار ہے۔ خوابِ سرشار تین دن میں تیار ہوئی اور ماہِ جولائی ۱۹۰۵ء میں اس کی تکمیل ہوئی۔ شاعر نے اس نظم (قصیدہ) کی اساسی خوبی صداقت کو قرار دیا ہے۔ جہاں تک قصیدے کی دوسری فنی خوبیوں کی بات ہے تو یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ پورا قصیدہ ایک قافیے اور ردیف پر مشتمل ہے اور پورے قصیدے میں ایک ردیف ہے۔

قصیدہ ہجویہ اور وعظیہ ہے جس میں شاعر کی فریاد پوری ریاست کے عوام کی فریاد بن کر سامنے آتی ہے قصیدہ مطلعِ اوّل، مطلعِ ثانی، مطلعِ ثالث، مطلعِ چہارم اور خاتمہ کے حصّوں پر مشتمل ہے۔ یعنی قصیدے میں تشبیب سے جو کام لیا جاتا ہے وہ مطلعِ اوّل میں ''تمہید'' کے عنوان سے لیا گیا ہے اور گریز سے جو کام لیا جاتا ہے وہ مطلعِ ثانی میں ''در بابِ شکایت روزگار و فلک نا ہنجار'' کے عنوان سے لیا گیا ہے۔ مدح سے جو کام قصیدے میں لیا جاتا ہے وہ مطلعِ ثالث میں ''در اظہارِ تشریح مضمونِ ہذا'' سے لیا گیا ہے۔ قصیدے میں اظہارِ مدعا سے جو کام لیا جاتا ہے وہ مطلعِ چہارم میں ''التماس واجب الگزارش'' کے عنوان سے لیا گیا ہے۔ قصیدے میں جو کام دعا سے لیا جاتا ہے وہ ''خاتمہ'' کے عنوان سے لیا گیا ہے۔ قصیدے کی زبان اور تحریر پر شکوہ ہے۔ تخیل آفرینی، شگفتگی، تشبیہات اور استعارات کا استعمال قصیدے میں تاثیر اور اثر پیدا کرتا ہے۔

خوابِ سرشار میں یہ تمام فنی خوبیاں موجود ہیں۔ خصوصاً شاعر نے خوابِ سرشار میں انگریزی اور اپنی مادری زبان سرائیکی کے لفظ بھی استعمال کیے ہیں مثلاً

پھر وہی پھولوں کے سہرے پھر وہی ٹھنڈی سڑک
پھر وہی پاکٹ کی تہہ میں بوتل مردار ہے (4)

کوتوالِ شہر بھی ہیں خاص اس ڈیوٹی پہ آج
دھوم ہے ایسی کہ گویا عید سا تہوار ہے (5)

لاکھ ہیں اس فنڈ کے دو لاکھ ہیں اُس فنڈ کے
اور فکرِ فاقہ کش کچھ بھی نہیں زنہار ہے (6)

مطلعِ ثالث ہے محسّن چیپٹر ہے دویم میرا
اِس میں دویم مطلع کی تشریح اے سرکار ہے (7)

کیوں گلیں اُن کے لیے ہم کو منگا دیتے نہیں
کیوں ترقی کاشت کی کرتا نہیں دربار ہے (8)

رکھتا اپنے ذمہ جب باقی نہیں سرکار کی
چھیڑ کا سرکار اُس پر، پھر یہ کیسا بار ہے (9)

ٹیکس کر لیتا ہے اپنا کوڑی کوڑی جب وصول
معاف کیوں کرتا نہیں بیگار کو دربار ہے (10)

درجنوں مل سکتے ہیں آقا ہمیں پنجاب سے
ملنا گریجوایٹ کا مشکل نہیں سرکار ہے(11)

کمی ہو جائے میاں تعلیم کے کچھ خرچ میں
نہیں ایف۔اے سے زیادہ ملک کو درکار ہے(12)

فائدا کیا ہے بھلا پبلک کو واٹر ورکس سے
ماسوا اِس کے کہ پانی پیجئے تیار ہے(13)

ریل کی تعمیر اور تاروں کی پھیلاوٹ حضور
ملک کی شاہی تجارت یہ بلا تکرار ہے(14)

قوم پھر خود جان لیتی ہے کہ کیا ہے سلف ہلپ
اِس کا دوئم درجہ آقا گلوں کی بھرمار ہے(15)

یعنی گر سرکار فیض آثار حکمِ خاص سے
ریل بنوائیں جو پبلک کو بہت درکار ہے(16)

دونوں یہ جنکشن بنیں گاڑی بدلنے کے لیے
نارتھ وسٹرن کا بھی اس میں فائدہ بسیار ہے(17)

یادگار پرنس و پرنسس ویلز کی آمد میں وہ
پیش کرتا پھر یہ مسئلہ باادب سرکار ہے(18)

ان اشعار میں انگریزی اور سرائیکی کے الفاظ ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں جس سے شاعر کی جدّت پسندی اور انگلش فہمی کا اندازہ بھی لگایا جاسکتا ہے۔شاعر نے نظیرا کبرآبادی اور الطاف حسین حالی کے مصرعے بھی اپنی شاعری میں شامل کر دیئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کی شاعر نظیرا کبرآبادی اور حالی سے خوب واقف ہیں اور اُنہیں کی فکر اور سوچ سے متاثر ہیں۔نظیرا کبرآبادی بہ حیثیت ''عوامی شاعر'' اور الطاف حسین حالی ''مصلحِ قوم'' کے طور پر جانے جاتے ہیں اشعار ملاحظہ ہوں

ہے یہی ساری حکایت کا میاں لُبِ لُباب
پیٹ بھرنے ہی سے جاتا پیٹ کا آزار ہے(19)

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو

ورنہ کھانے پینے کو نادان بھی ہوشیار ہے(20)

محسن خان پوری نے مطلعِ اوّل میں بہاریہ انداز کے اشعار نظم کیے ہیں شاعر خواب دیکھتا ہے کہ وہ ریاست بہاول پور کے بازار میں موجود ہے جہاں ہرسُو بہار کا عالم ہے رونق ہے اور نواب آف بہاول پور کی آمد آمد ہے یہ حصّہ تمثال نگاری کی بھی عمدہ مثال ہے۔ مطلعِ ثانی میں شاعر نے نواب آف بہاول پور کو اپنا مدعا اور مقصد بیان کیا ہے جو قوم کی اصلاح، فلاح اور خیر خواہی ہے شاعر کو نہ صرف قوم کی فلاح مقصود ہے بلکہ نواب آف بہاول پور کی خیر خواہی بھی درکار ہے مثلاً

دست بستہ عرض میں کرتا ہوں اے عالم پناہ
سچ کے کہنے کے لیے آزادی درکار ہے

ہوتا ہے ارشاد آزادی ہوئی تجھ کو عطا
صاف کردے عرض گر کچھ غلطیِ دربار ہے

سُنتے ہی فرمانِ آقا کُھل گئی محسن زبان
نظم یوں کرتا وہ عرضی شاعرِ سرکار ہے(21)

مطلعِ ثانی میں شاعر نے شکایتِ روزگار اور ریاست کے عوام کی کُھل کر بات کی ہے اور کمال جرأت سے نواب آف بہاول پور کو اُن کی غفلت پر جھنجوڑا ہے مثلاً

مانا صاحب ساری دنیا ہے کرم سے شادماں
ایک کیوں محروم ہے مغموم ہے بیمار ہے

سارا عالم ہے سبکدوشِ الم تو کیا ہوا
ایک پر تو رنج و غم کا بار اور بسیار ہے

حیف تو ہے کہ جو ہے دشتِ غربت کا شکار
وہ یکے از کمترین بندۂ سرکار ہے

ایسا بگڑا خار کا نہ عالمِ ایجاد کا
ایک ہے سرشارِ دولت ایک پر ادبار ہے

کچھ نہیں مقروض کی مخدوش حالت کا خیال
راتیں کیوں کر کاٹتا کم سخت قرضہ دار ہے

کیسی حق لگتی یہاں تک ہے صداقت سے گریز
کوئی بھی حقدار کو کہتا نہیں حقدار ہے

خوئے عدل وداد یا ربّ منتظم پیدا کریں
عدل وہ اس میں کرے جو جس میں ذمہ دار ہے(22)

مطلعِ ثالث اور مطلعِ چہارم میں مصنف نے اپنا مدعا بیان کیا ہے جس میں شاعر نے کسان، مزدور اور عام ریاستی کے مسائل کھل کر بیان کئے ہیں اس کے علاوہ نواب آف بہاول پور کو ریاست میں کچھ فلاحی کام کرنے کی ترغیب بھی دی ہے جو ایک خودمختار حکمران کو دینا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہوتا ہے۔ مثلاً

ظلم تو کرتے ہیں لیکن یہ نہیں دل میں خیال
پھونک دیتی بے کسوں کی آہِ آتش بار ہے

ہائے وہ مالی ترقی اب نظر آتی نہیں
حالت امروزہ قابل حیرتِ بسیار ہے

کاشت کی تعلیم تو کچھ بھی نہیں دیتے ہمیں
غلّہ لینے کے لیے موجود جمعدار ہے

کچھ بھی بتلاتے نہیں کیا کھاد ہونا چاہیے
آب پاشی کا طریقہ کون سا درکار ہے

کھاد سے بھی بڑھ کے اصلاح بتلائیں اگر
دوسری تہہ میں زمیں کے جو بھرا اِک کہار ہے

روئی گنا تیل ہیں دولت زمیں کی ہے جناب
کیوں ہمارے ملک میں کم اُن کی پیداوار ہے

لاکھوں کی منظوریاں ہیں اور کاموں کے لیے
فنِ زرعت کے مدرسے کھولنا دشوار ہے

ٹکیس کر لیتا ہے اپنا کوڑی کوڑی جب وصول
معاف کیوں کرتا نہیں بیگار کو دربار ہے(23)

شاعر نے زرعت اور ٹیکس وصول کرنے والوں کے ظلم وستم کو بیان کرنے کے بعد ریاست کے کچھ اہم معاملات پر بھی نواب آف بہاول پور کو اپنا دکھ بیان کیا ہے لیکن بیان کرنے کا انداز جارحانہ ہے مثلاً صادق الاخبار جو بہاول پور کا قدیم اخبار تھا اور علم اور اخلاق کے

مضامین سے بھرپور ہوتا تھا اُس کے بارے میں وہ کہتے ہیں

ہُوک دل میں اُٹھتی ہے پڑھ پڑھ کے اس کو اے حضور
اب نہیں پہلا سا ہائے صادق الاخبار ہے

علم اور اخلاق کے مضمون ہوئے بالائے طاق
باتیں خوغرضی کی ہیں مطلب کی کچھ بھرمار ہے(24)

شاعر نے ریاست بہاول پور کے صادق ایجرٹن کالج (۱۸۸۶ء) کی گرتی ہوئی حالت کے بارے میں بھی لکھا ہے۔

حالتِ کالج بھی کچھ ناگفتہ بہ سی ہے حضور
مفت کا خلقت کے سر پر ایک زر کا بار ہے

ماسوائے گِٹ پٹ کے شاہا کچھ نہیں ان سے حصول
اُن سے اچھا فارسی خواں جو تجربہ کار ہے(25)

شاعر نے واٹرورکس کے بارے میں بھی نواب آپ بہاول پور کو متوجّہ کیا ہے مثلاً

فائدہ کیا ہے بھلا پبلک کو واٹرورکس سے
ماسوا اس کے کہ پانی پیجیئے تیار ہے

پانی تو جب چاہیے روٹی ہو صاحب پیٹ میں
پیٹ ہی خالی ہو جب، پانی محض بیکار ہے(26)

مطلعِ چہارم کے آخر میں شاعر نے نواب آف بہاول پور کو ریاست بہاول پور میں ریلوے لائن تعمیر کرنے کی ترغیب دی ہے اور کمال یہ ہے کہ ایک شاعر قومی ترقی کے لیے ریلوے لائن کو ضروری سمجھتا ہے اور اس حوالے سے جاپان اور امریکہ کی ترقی کا حوالہ بھی دیتا ہے، مثلاً

جس کا اے سلطانِ من قومی ترقی نام ہے
پوچھیئے جاپان سے کیا راز آخر کار ہے

راز ایں پوشیدہ و سربستہ وجاد واثر
بس تجارت ہی میں پنہاں باخدا سرکار ہے

شاہد اس کا امریکہ کا ہے وہ گنجِ لازوال
کہ تجارت ہی پہ جس کی آمد ورفتار ہے

اس تجارت کا فقط قومی ترقی نام ہے
جس نے حاصل کرلی وہ جاپان کا سردار ہے

یعنی گر سرکار فیضِ آثار حکمِ خاص سے
ریل بنوائیں جو پبلک کو بہت درکار ہے

ہلکی سی ہو اور ریاست بھر میں وہ دوڑا کرے
طول جس کا از بہاول پور تا ولہار ہے

ریل یہ شاہا حقیقت میں ہے گنجِ لازوال
اور سراسر ملک کی دولت کا وہ اسرار ہے (27)

محسن خانپوری نے مطلعِ ثالث اور چہارم میں جس طرح ریاست بہاول پور کے مسائل مشکلات اور حالات کو بیان کیا ہے وہ بالکل نظیر اکبرآبادی کے قریب پہنچ جاتے ہیں اور ایک ایسے ''مزاحمتی شاعر'' کے طور پر ابھرتے ہیں جو ظلم اور جبر کو بیان کرنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتے اور جب ریلوے لائن کے اجراء صادق الاخبار اور کالج کی گرتی ہوئی تعلیمی حالت پر اظہارِ خیال کرتے ہیں تو وہ الطاف حسین حالی کے قریب پہنچ جاتے ہیں یعنی اصلاحِ معاشرہ اور ادب برائے زندگی کے قائل دکھائی دیتے ہیں حیرت والی بات یہ ہے کہ محسن خان پوری نے یہ قصیدہ جس نوب کے لیے لکھا تھا اسی نواب کے لیے ایک قصیدہ علامہ اقبال نے بھی لکھا تھا جو دربارِ بہاول پور کے عنوان سے ''باقیاتِ اقبال'' (مرتبہ عبدالواحد معینی) میں شامل ہے۔ اقبال کا قصید مدحیہ ہے جس میں اقبال نے نوب آف بہاول پور کی تعریف کی ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں

جھومتی ہے دیکھنا جوشِ عقیدت کا کمال
پائے تختِ یادگارِ عمِ پیغمبر زمیں

زینتِ مسند ہوا عبّاسیوں کا آفتاب
ہوگئی آزاد احسانِ شہِ خاور زمیں

یعنی نواب بہاول خاں کرے جس پر فدا
بحر موتی آسماں انجم زر و گوہر زمیں (28)

اگر علامہ اقبال کے قصیدے اور محسن خان پوری کے قصیدے کا تقابلی مطالعہ کیا جائے تو جو فرق مدح اور ہجو میں ہوتا ہے وہ ان دو قصائد میں موجود ہے۔ اقبال کا مقصد محض نواب آف بہاول پور کی شخصی خوبیوں کو بیان کرنا تھا اور محسن خان پوری کا مقصد ایک تو ریاست بہاول پور کے عوام کے لیے مزاحمتی انداز اختیار کرنا تھا اور دوسرا ریاست کے لیے بہتری کے مشورے دینا تھا۔

مزاحمتی شاعری کے حوالے سے ڈاکٹر رشید امجد اپنی کتاب پاکستانی ادب (روّیے اور رجحانات) میں لکھتے ہیں

> ''عمومی معنوں میں ادب ہوتا ہی مزاحمتی ہے کہ ادیب موجودہ صورتِ حال، اُس کے جبر اور استحصال کے خلاف آواز بلند کرتا ہے اس حوالے سے اردو ادب کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو شمالی ہند میں شاعری کا آغاز ہی مزاحمتی روّیے سے ہوا جعفر زٹلی پہلا مزاحمتی شاعر ہے، جس نے اورنگ زیب کے نالائق بیٹوں کے خلاف نظمیں لکھیں'' (29)

ڈاکٹر رشید امجد کی اس رائے کو اگر درست مان لیا جائے تو محسن خان پوری انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے آغاز کا سب سے بڑا ''مزاحمتی'' اور بلکہ ''ترقی پسند'' شاعر ہے واضح رہے کہ ترقی پسند تحریک کی بنیاد ۱۹۳۶ء میں رکھی گئی اور محسن خان پوری بیسویں صدی کے پہلے عشرے ہی میں کسان مزدور اور استحصال زدہ طبقے کی بات کر رہے ہیں۔

حواشی وحوالاجات

۱۔ محسن خان پوری کا اصل نام محسن خان اور تخلص محسن تھا ۱۸۶۷ء میں خان پور میں پیدا ہوئے تاہم اپنی ذاتی ڈائری کے مطابق ۱۸۶۶ء میں پیدا ہوئے اور ۶ جولائی ۱۹۴۴ء میں وفات پائی ان کی ''خوابِ سرشار'' کے علاوہ کئی کتب شائع ہوچکی ہیں جن میں ڈالی، سفرنامہِ لندن ہز ہائنس نوب آف بہاول پور، رنگیلی بیگم، مثنوی قہرِ عشقا ورٹرانس وال وار، ان کی اہم کتب ہیں۔(محسن خان پوری...... ایک ہمہ جہت شاعر از ڈاکٹر نذر خلیق مطبوعہ تخلیقی ادب شمارہ ۷ جون ۲۰۱۰ء نمل، اسلام آباد، ص ۸۲)

۲۔ محسن خان پوری، خوابِ سرشار، بلال سیٹم پریس ساڈھورہ ضلع انبالہ، ۱۹۰۶ء، ص ۳۔۴

۳۔ خوابِ سرشار، ص ۲۵۔۶۲

۴۔ خوابِ سرشار، ص، ۴

۵۔ خوابِ سرشار، ص، ۷

۶۔ خوابِ سرشار، ص، ۱۳

۷۔ خوابِ سرشار، ص، ۱۴

۸۔ خوابِ سرشار، ص، ۱۶

۹۔ خوابِ سرشار، ص، ۱۷ (چیہڑ سرائیکی زبان میں بیگار کو کہتے ہیں، ریاست بہاول پور میں یہ ایک رسم ہے جو ریاست کے قیام تک قائم رہی اس رسم کے مطابق سرکاری کام کے لیے لوگوں سے بغیر اجرت کے کام کرایا جاتا تھا لیکن اب یہ رسم متروک ہوچکی ہے)

۱۰۔ خوابِ سرشار، ص، ۱۰

۱۱۔ خوابِ سرشار، ص، ۱۸

۱۲۔ خوابِ سرشار، ص، ۱۹

۱۳۔ خوابِ سرشار، ص، ۱۹

۱۴۔ خوابِ سرشار، ص، ۱۹

۱۵۔ خوابِ سرشار، ص، ۲۰

۱۶۔ خوابِ سرشار، ص، ۲۰

۱۷۔ خوابِ سرشار، ص، ۲۰

۱۸۔ خوابِ سرشار، ص، ۲۱

۱۹۔ خوابِ سرشار، ص، ۱۲

۲۰۔ خوابِ سرشار، ص، ۱۳

۲۱۔ خوابِ سرشار، ص، ۱۰

۲۲۔ خوابِ سرشار، ص، ۱۲۔۳۱۔۴۱

۲۳۔ خوابِ سرشار، ص، ۱۵۔۱۶۔۱۷

۲۴۔ خوابِ سرشار، ص، ۱۸

۲۵۔ خوابِ سرشار، ص، ۱۸

۲۶۔ خوابِ سرشار، ص، ۱۹

۲۷۔ خوابِ سرشار، ص، ۱۹۔۲۰

۲۸۔ عبدالواحد معینی، سید، باقیاتِ اقبال، آئینہِ ادب، چوک مینار انارکلی، لاہور ۱۹۷۸ء، ص ۱۸۵

۲۹۔ رشید امجد، ڈاکٹر، پاکستانی ادب (روّیے اور رجحانات) پورب اکادمی اسلام آباد، جنوری ۲۰۱۰ء ص ۳۷

249 رت

بتقریب تشریف آوری حضور پرنس آف ویلز

صادق آباد بہاولپور - اسٹیٹ ریلوے

اور اِن فی الحال کا واقع افلاس یا ترقی دولت کا سبب

موسومہ

خواب سرشار

یعنی

پولیٹکس آف بہاولپور

مخاطب امیدوار حضرت جناب نواب ... الرحمٰن ... عباسی

یعنی گلدستہ قصائد آبدار بحق کسار - جان نثار - و نمک خوار - سرکار گوہر بار -
فیض آثار - والئے بہاولپور - دام ملکہ و دولتہ -
مع قصیدۂ حضور دستور معظم ریاست
جس میں ریاست کی آئندہ و موجودہ قسمت کے پوشیدہ اسرار درج ہیں -

از تصانیف خادم قوم - حکیم - مولوی - بابو محمد محسن خاں
(خانپوری) حال اسٹیشن ماسٹر - اودھ - روہیلکھنڈ ریلوے
دتورا - اسٹیشن - ضلع بدایوں -
مصنف - دیوان ریختی - ٹرانسوال وار -
ڈالی - وغیرہ

سادھورہ - ضلع انبالہ - منشی محمد ... باہتمام ...

١٩٠٦ء

١٣٢٤ھ

ایک تو کہا کسی وہم جھوٹی تیرا شعر   پیش کرتا اور زالی ماتے سراب سے

جیل ... نہ شنیاں اثر ان ملے   نام ان پھولوں کا نواب محسن سرتاج

بتقریب تشریف آوری حضور پرنس آف ویلز صادق آباد بہاولپور ... سے

اور یاران وطن کا واقف اقلاس با ترقی و دوات کا سرتبہ ...

موسومہ

خواب سرشار

یا

پولیٹکس آف بہاولپور

مطابق ... ہندوستان

کا پیام مخصوص ...

یعنی گلدستہ قصائد آبدار محسن خاکسار، جان نثار محسن سرکار گوہر بار، فیض آثار، والئی بہاولپور بنام کندہ ...

معتصیدہ ... مستور ... ریاست مذکور کی بعہدہ موجودہ قسمت کے پیش ... کیا گیا

از تصانیف خادم قوم حکیم مولوی ابو محمد محسن خاں رضا پوری حال ...

ماسٹر اردو ... ڈیرہ نواب اسٹیشن ضلع بہاولپور

مصنف دیوان ریختی ... وغیرہ

سنہ ۱۹۰۹ء

بلالی ... پریس ... باہتمام ... چھپی

مضامین نگاری میں صرف کر دی۔ اور اس دلآویز یا دلخوش کن مضمون کے حسن مطلب کو طرح طرح کی لبھانے والی اور موہنی صورتوں میں ادا کر کے پیش کرتا رہا۔ الحمد للہ کہ اُس کی یہ قومی خدمت یا طبیعت کی محنت بالکل رائگان نہیں گئی۔ اور ایک بات نے آخر کار فخر منظوری حاصل کر ہی لیا۔ یہ وہی بات ہے جسکو ہمارے احباب کتاب ڈالی کے ۲۱ صفحہ پر ملاحظہ فرما چکے ہیں اور جسکا مبارک نام منظوری اجرائے نہر ہے۔ اب یہی دوسری یا ریل والی بات انشاء اللہ ہمارے ہز ہائنس نواب صاحب بہادر اور لائق دستور معظم ہماری اس پیش کردہ تجویز پر بھی جو نہر والے مضمون سے زیادہ ضروری اور مطلب خیز ہے۔ ضرور کامل غور و توجہ فرما دینگے اور نتیجہ عنقریب خاطر خواہ پیدا ہوگا۔ ورنہ ؎

مانیں نہ مانیں اس کا انہیں اختیار ہے
ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جاینگے

خاکسار

بابو محمد محسن خاں متخلص محسن (خانپوری)
حال اسٹیشن ماسٹر دبتورا
ضلع بدایوں (اودہ روہیلکھنڈ ریلوے)

دبتورا
یکم جنوری ۱۹۰۸ع

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مطلع اول

تمہید

پھر بہار آئی چمن میں حسن پر گلزار ہے
پھر بھری دل میں ہوائے خانہ خمار ہے

پھر وہی جوش و اُمنگ بادہ گلنار ہے
آج بھی پھر نذر ساقی جبہ و دستار ہے

پھر سوئے میخانہ اک چُلو کا لپکا لے گیا
پھر گرا ساقی کے پا پر رند بادہ خوار ہے

پھر کسیکی خوں نما آنکھوں نے گھائل کر دیا
پھر ہوئی خوں ریز چشم قاتل خونخوار ہے

ہائے پھر اس مے کے چسکے نے الٹی کھڈیا
واے پھر وہ بالزادی دختر رز دوچار ہے

پھر چمن خانہ میں کیں رندوں نے اپنی دعوتیں

پھر پھری خانہ بنا۔ کاشانہ میخوار ہے

پھر کسی کی سرد مہری یاد کیا آئی ہمیں
برف خانہ بنگیا خس خانہ میخوار ہے

پھر وہی پھولوں کے سہرے پھر وہی ٹھنڈی سڑک
پھر وہی پاکٹ کی تہ میں بوتل مردار ہے

پھر رقابت شیخ جی پیر مغاں سے ہوگئی
پھر پرانے پیچھے اپنی وہ مغبچہ بیکار ہے

پھر وہی لطف لب جو یاد ساقی آگیا
لطف مینوتی کو پھر آب رواں درکار ہے

پھر کسی ساون کے اندھے کو ہری سوجھی ہے آج
پھر کوئی جھولے میں بیٹھا پی رہا سرشار ہے

پھر سرور بادۂ خوشرنگ وطن کو لے گیا
پھر وہی آنکھوں کے آگے صادق الانوار ہے

پھر کسی محفل کی ہوا خواہی کو ہم حاضر ہوئے
پھر کھلا اپنی بلبل دل نغمہ منقار ہے

پھر سرور خواب ناز بادۂ احمر میں ہم
دیکھئے کیا ہیں بہاولپور کا بازار ہے

سینکڑوں جوبن ہیں شہر بالا ہے حسن زار کو
دیکھنے والا پھر و حُسن میں سرشار ہے

اجتماع حسن ہے لاکھوں بشر ہیں چوک میں
بھیڑ ہے ایسی کہ چلنا راہ کا دشوار ہے

نیچے اوپر ہیں حسینان ریاست سر بسر
پٹ گیا حور و پری سے ہر در و دیوار ہے

ہیں ہزاروں نازنین و مہ جبیں بالائے بام
بنگیا گویا پری خانہ سر بازار ہے

جا بجا گملے دھرے ہیں۔ گل ہیں اور گلچین میں
پھولوں کی خوشبو سے رشک گلستاں بازار ہے

اہتمام سخت ہے کوئی نہ جائے اس طرف
اور پولیس وردی لگائے کام پر تیار ہے

کوتوال شہر بھی ہیں خاص اس ڈیوٹی پہ آج
دھوم ہے ایسی کہ گویا عید کا تہوار ہے

مسکراتے ہیں پری رو ہاتھ میں لے لیکے ہاتھ
کہتے ہیں عاشق کہ دیکھو آج کیا گلزار ہے

لطف مینوتی بھی ہوا در کنج تنہائی بھی ہو

رونقِ گلزار اُسدم اے پری رخسار ہے

دل تو دیدیں ہم تجھے اے موہنی صورت کے پھول
ظلم سہنے سے مگر اس شوخ کو انکار ہے

پیچھے ہم لاحول صاحب اور جو آگے بڑھے
دیکھتے کیا ہیں کہ دو شخصوں میں کچھ تکرار ہے

بھائی صاحب کیا ہے کیا ہے ہمسے بھی کہئے ذرا
ثالث بالخیر سے کیوں آپ کو انکار ہے

گرم ہو کر ایک تو بولا کہ چلئے آپ کون
دوسرا کہتا ہے مولانا یہ کیا گفتار ہے

ہم شفیق باصفا ہیں لڑتے مرتے ہیں سدا
دخل در معقول حضرت آپکا بیکار ہے

سچ ہے بھائی معاف کرنا دراصل غلطی ہوئی
کہکے یہ آگے جو بڑھتا رندِ بادہ خوار ہے

دیکھتا کیا ہے کہ لالہ جی چلے جاتے ہیں ایک
مرد پاکیزہ طبیعت خواندہ وہشیار ہے

بھانپ کر مطلب کا انسان اس سے پوچھا اے عزیز
بات اک پوچھینگے ہم دو ہاتھ گر اقرار ہے

سن کے گویا ارشاد ہے۔ بولا وہ مردِ پاک خو
لالہ جی فرمایئے یہ آج کیا اسرار ہے

یہ میاں جلسے تماشے رنگ و روغن کیا ہیں آج
کیسا میلا آج یہ ہر سو سرِ بازار ہے

مسکرا کر لالہ جی صاحب مخاطب یوں ہوئے
کیا نہیں معلوم تم کو۔ آمدِ سرکار ہے

سنکے یہ مژدہ کہا دل نے بصد جوشِ طرب
آج موقعہ عرض کرنے کا بلا تکرار ہے

بات بھی کرنے نہ پائے تھے سواری آگئی
پشت پر ہاتھی کے جلوہ گر مہ وہ چار ہے

کرکے باآئین شائستہ سرِ تسلیم خم
سامنے تصنیف کرتا محسن بدکار ہے

یہ ہوا ارشاد صادر۔ ساتھ اسکو لے چلو
ہوتا ہے مفہوم۔ کوئی غمزدہ بیچار ہے

یاس کے آثار ہیں رخ پر نمایاں سر بسر
ہے تو دیوانہ مگر باکارِ خود ہشیار ہے

اتنے میں پہنچی سواری منزلِ مقصود تک
رونق افزا تخت پہ سرکار فیض آثار ہے

حکم ہوتا ہے کہ محسن کہہ جو کچھ کہنا ہو آج
معاف کردینگے اگر سچی تیری گفتار ہے

دست بستہ عرض میں کرتا ہوں اے عالم پناہ
سچ کے کہنے کے لئے۔ آزادگی درکار ہے

ہوتا ہے ارشاد آزادی ہوئی تجھکو عطا
معاف کردے عرض گر کچھ غلطی دربار ہے

سنتے ہی فرمان آقا کھل گئی محسن زبان
نظم یوں کرتا وہ عرضی۔ شاعرِ سرکار ہے

مطلع ثانی۔ درباب شکایت روزگار و فلک ناہنجار

پھر چلی بادِ بہاری پھر چمن گلزار ہے
پھر چمن میں نغمہ زن قمری موسیقار ہے

برق چشمک زن بھی ہے۔ رشکِ پری کہسار ہے
پھر وہی اٹکھیلیوں پر شوقِ بادہ خوار ہے

کہنے کی باتیں ہیں ساقی سچ تو یہ اے یار ہے
فصلِ گل ہیں زاہدوں کو بھی نہیں انکار ہے

ساقی تیرے فیض سے سارا جہاں سرشار ہے
نام لینے کو مگر اک رہ گیا میخوار ہے

آج تو تقدیر خفتہ ہوگئی بیدار ہے
نظم افسردہ کو فخرِ قربتِ سرکار ہے

باعث برگشتگی طبع ناقص یہ ہے
حق سے برگشتہ ہمیشہ شاہ کا دربار ہے

چشمۂ جود و عطا سے حسنِ رحمت نے کہا
ایک محروم عطائے فیضِ گوہر بار ہے

واسطے ہر قمری پشہ کا جب در باغ کرم
طوطیِ شیریں نوا پر۔ بند کیوں ہر بار ہے

حالتِ پُر درد بارے بلبلِ بیکس ہیں ہم
مبتلائے وحشت و صید وادی خونخوار ہے

پوچھتے کیا ہو عزیزو خستہ حالوں کا وطن
مسکن صحرا نوردان دشت پُر از خار ہے

جب کہ اے ابرِ کرم۔ بحرِ کرم ہے جوش پر
سوئے تشنہ لب یہ یک قطرہ چرا انکار ہے

دانا صاحب ساری دنیا ہے کرم سے شادماں
ایک کیوں محروم ہے مغموم ہے بیمار ہے

سارا عالم ہے سبکدوش الم تو کیا ہوا
ایک پہ تو رنج و غم کا بار اور بسیار ہے

ہے زمانہ بھر میں جاری چشمۂ فیض و کرم
بند اک شاعر پہ کیوں سرکار گوہر بار ہے

ہے یہی ساری حکایت کا میاں لب لباب
پیٹ بھرتے ہی سے جاتا پیٹ کا آزار ہے

حیف تو یہ ہے کہ جو ہے دشت غربت کا شکار
وہ یکے از کمترین بندۂ سرکار ہے

محو خود بینی و خود غرضی ہے عالم اس قدر
ایک کو اٹکھیلیاں سوجھی ہیں اک بیزار ہے

ایسا بگڑا کارخانۂ عالم ایجاد کا
ایک ہے سرشار دولت ایک پر ادبار ہے

بے ثباتی جہاں کا جو چڑھا اس کو نشا
سارا میخانہ اڑا کر بے نشہ میخوار ہے

کچھ نہیں مفروض کی مخدوش حالت کا خیال
رئیس کیونکہ کا شاکم سخت قرضہ دار ہے

اس قدر ناحق شناسی کا میاں پھیلا رواج

جو کہے حق بات اسکا نام ہی عیار ہے

ایسی حق تلفی یہاں تک ہے صداقت سے گریز
کوئی بھی حق دار کو کہتا نہیں حق دار ہے

سرد ہو فاقوں سے کوئی بطرز از طوفاں چہ باک
ناقلو نکا گرم صاحب بے طرح بازار ہے

نحو کو ایسا پسند عام کا درجہ ملا
سچ کا منہ سے بھی نکلنا سخت تر دشوار ہے

لاکھ ہیں اس فن کے دو لاکھ ہیں اس فن کے
اور فکر فاقہ کش کچھ بھی نہیں زنہار ہے

تذکرے امرا کے تو ہوتے ہی رہتے ہیں سدا
کچھ اپاہج بے نوا بیکس کا بھی اظہار ہے

درد دل کیواسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ کھانے پینے کو نادان بھی ہشیار ہے

ہاتھ دھر دھر کر ذرا اپنے کلیجے دیکھ لیں
دوسروں کے درد کا جنکو نہیں آزار ہے

تازہ گلہائے معانی سے لگا کر ڈالیاں
پیش کرتا رہتا انکا باغباں ہر بار ہے